کتاب نما

بنک کا سود: اقتصادی اور شرعی نقطہ نظر سے' ڈاکٹر محمد علی القری۔ ترجمہ: عتیق الظفر۔ اہتمام و اشاعت: انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز' بلاک ۱۹' مرکز ایف ۷' اسلام آباد' صفحات: ۸۷' قیمت: درج نہیں۔

سود ایک کالاکھوں کے لیے مرگ مفاجات 'مگر عصر حاضر میں سود اور سودی کاروبار کو انسانی زندگی کا اس طرح جزو لاینفک سمجھ لیا گیا ہے 'جس طرح ہوا' پانی اور غذا---- مصنف کے بقول "تمام آسمانی مذاہب میں اس [ربا] کی حرمت کے باوجود بعض گروہ مسلسل غیر شرعی طریقوں اور مختلف حیلوں کا سہارا لے کر ربا کا لین دین کرتے رہے۔ ان میں اہم گروہ یہود کا ہے" (ص ۹)۔ زیر تبصرہ کتاب میں ان معاشی دعووں اور شبہات کا جواب دیا گیا ہے' جو آج کل بنکوں کے سود کے متعلق پائے جاتے ہیں۔ پھر اس پہلو کی وضاحت بھی کی گئی ہے کہ معیشت کو سودی آکاس بیل سے بچا کر کیسے وہ نظام وضع کیا جا سکتا ہے' جو اسلامی تعلیمات سے متصادم نہ ہو۔ آج کل غیر سودی بنکاری کے تجربات کو جن مشکلات کا سامنا ہے' ان کو بھی موضوع بناتے ہوئے یہ اعتراف کیا گیا ہے کہ اسلامی بنکاری کے تجربات میں "مشارکت" کو مناسب اہمیت دینے کے باوجود' اسلامی بنکاری کے نظام میں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت حاصل نہیں ہو سکی (ص ۲۳)۔

مصنف نے ان جدیدیت پسندوں کے نقطہ نظر کا محاکمہ کیا ہے' جو موجودہ بنکاری سودی نظام کے بارے میں عام مسلمانوں کو تذبذب' مغالطے اور دھوکے میں ڈال رہے ہیں کہ "بنک کا سود حرام نہیں" (ص ۱۷)۔ چونکہ "ربا کی حرمت کتاب و سنت رسولؐ سے قطعی طور پر ثابت ہے' اس لیے بنک کا سود بھی ربا ہے" (ص ۵۲)۔ ڈاکٹر محمد علی نے فقہی اصطلاح "مصلحت" اور "سد ذرائع" کے پردے میں جدید بنکاری کے لیے جواز پیدا کرنے کی کوششوں کا ذکر کرتے ہوئے بتایا ہے کہ: "ضرورت" کے شرعی طور پر معتبر ہونے کے لیے ضروری ہے کہ وہ ان پانچ چیزوں میں سے کسی ایک یا ایک سے زائد کے وجود کے لیے خطرہ ہے 'جن کی حفاظت کے لیے شریعت آئی ہے یعنی: دین' جان' نسل' مال اور عقل اور یہ خطرہ بھی قطعی اور یقینی ہونا چاہیے۔ ہمیں یہ بات قبول کرنا مشکل نظر آتی ہے کہ سود کی بنیاد پر لین دین ایسی ضرورت ہے' جو "حرام کو حلال کر دے" کیونکہ اس بنیاد پر

لین دین کرنے سے شریعت کے متذکرہ بالا پانچ مقاصد میں سے کسی ایک کو بھی خطرہ لاحق نہیں ہوتا (ص ۵۲)۔

کتاب کے مقدمے میں پروفیسر خورشید احمد نے لکھا ہے کہ: "عام مسلمان، ربا، سود، یوژری، انٹرسٹ یا بیاج، اسے کسی بھی نام سے پکاریں، اس سے پناہ مانگتا ہے اور اگر کسی وجہ سے اس میں ملوث ہوا ہے تو اسے گناہ سمجھتا ہے، یہ ہے امت کا اجتماعی ضمیر۔ البتہ اقتدار کے حلقوں اور اہل ثروت کے دائروں میں سود کے جواز کے لیے کوئی نہ کوئی چور دروازہ نکالنے کی کوششیں ہوتی رہی ہیں اور ہو رہی ہیں۔ وہ طبقہ جو مغربی اقدار کو عملاً قبول کر چکا ہے، یا جن کا مفاد مغرب کے سودی نظام سے وابستہ ہے، وہ مسلسل ایسی بحثوں کو ہوا دیتے رہے ہیں، جن کے نتیجے میں سود کی حرمت کو مشتبہ بنایا جا سکے، اور کسی نہ کسی شکل میں اس کا "حلالہ" کیا جا سکے" (ص ۵-۶)۔ "افسوس وہاں ہوتا ہے جہاں پڑھے لکھے افراد بھی دلیل کے بجائے مفاد اور مصلحت کا سہارا لے کر دین کے مثبت [اور واضح] احکام میں تبدیلی کی باتیں کرتے ہیں۔ یہ راستہ حق و دیانت کا راستہ نہیں" (ص ۷)۔

ڈاکٹر محمد علی نے بنک کے سود کے بارے میں تمام اعتراضات کو یک جا کر کے، ایک ایک کا جواب دیا ہے اور وضاحت کے ساتھ اسلامی نظم معیشت پر روشنی ڈالی ہے۔ بقول خورشید صاحب: ڈاکٹر محمد علی القری کا اسلوب نہ جارحانہ ہے اور نہ معذرت خواہانہ۔ انھوں نے نہایت ٹھنڈے اور خالص علمی انداز میں ایک ایک پہلو پر بحث کی ہے اور ان تمام غلط فہمیوں کو دور کرنے کی کوشش کی ہے، جو اس بحث میں بار بار اٹھائے جاتے ہیں۔ اس سلسلے میں افراط زر اور اس کے نتیجے میں قدر زر میں ہونے والی تبدیلیوں پر بھی انہوں نے سیر حاصل بحث کی ہے اور سود کے جواز کے استدلال کی کمزوری بھی واضح کر دی ہے" (ص ۷-۸)۔ کتاب کے آخر میں سود کے حرام ہونے کے بارے میں عرب اسکالروں اور مغرب کے اہل دانش کی آرا بھی ایک ضمیمے میں پیش کی گئی ہیں۔ بظاہر یہ مختصر کتاب ہے، لیکن فی الحقیقت ایک بہت بڑے مسئلے کی وضاحت اور تنقیح کرتی ہے۔ ایک عام قاری فقہ کی باریکیوں اور علم معاشیات کی وسعتوں اور پیچیدگیوں سے گھبرا کر اس کوچے کا رخ کرنے سے پہلو بچاتا ہے، یہ کتاب نفس موضوع کو عام فہم، مدلل اور خوشگوار انداز سے اس کے ذہن نشین کر دیتی ہے۔

اس مقالے کے مصنف، اور مترجم عتیق الظفر دونوں مبارک باد کے مستحق ہیں۔ معاشیات کے اساتذہ، علما اور طلبہ تک اس کتاب کی رسائی ممکن بنائی جانی چاہیے۔ (سلیم منصور خالد)

ہم آغا خانی کیسے مسلمان ہوئے؟ اکبر علی غلام حسین، تلخیص و ترجمہ: محمد اکبر خان۔ ناشر: اسماعیلیہ نمازی خدمت کمیٹی، مسلم اسماعیلیہ مسجد، بلاک ۷، فیڈرل بی ایریا نزد عائشہ منزل، پوسٹ بکس ۸۱۲۴ کراچی ۷۵۹۵۰۔ صفحات: ۱۵۳۔ قیمت: ۲۰۲ روپے۔

مصنف بتاتے ہیں کہ ان کے والد پکے آغا خانی تھے۔ ان کے دادا بھانجی نتھو، اسماعیلی آغا خانی ہندوؤں میں سے تھے۔ والد کے پڑدادا کا نام پریم جی تھا۔ ڈیڑھ صدی پہلے راج کوٹ (بھارت) میں شدید قحط پڑا تو یہ لوگ کراچی آ بسے۔ اکبر علی اوائل عمر ہی سے اسماعیلی جماعت خانے جانے لگے، مگر وہاں کے طور طریقوں نے انھیں ذہنی کشمکش میں مبتلا کر دیا۔ ان کا ذہن اس بات کو قبول نہ کرتا کہ "حاضر امام" (یعنی اپنے ہی جیسے انسان) کو خدا سمجھ کر اس کی تصویر کو سجدہ کیا جائے۔ ہدایت تھی کہ انتہائے عبادت پر اللھم لک سجودی وطاعتی پڑھا جائے۔ "حاضر امام" ہی سے مرادیں مانگی جائیں وغیرہ۔ اکبر علی جماعت خانے سے ہر روز سوالوں کا ذخیرہ لے کر آتے اور گھنٹوں حیران اور متفکر رہتے۔ آخر ایک روز، ریڈیو پاکستان کے دینی پروگرام میں نشر ہونے والی ایک آیت قرآن (کے ترجمے) نے انھیں جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔ کچھ روحانی سکون میسر آیا۔ قرآن کا مطالعہ شروع کیا اور اللہ نے ہدایت نصیب فرمائی۔

زیرنظر کتاب بطور آپ بیتی لکھی گئی ہے مگر اس میں ذاتی حالات کم ہیں اور اسماعیلیو د کی تاریخ، عقائد، عبادات، آغا خانیوں کا ارتقا، جماعت خانوں کے رسوم و آداب، آغا خان سوم اور چہارم کے حالات، مشاغل حیات، ان کی بے پناہ دولت، عیش و عشرت، معاشقوں، گھڑ دوڑوں اور اسماعیلی مخفی طور طریقوں کی تفصیل زیادہ ہے۔ اکثر و بیشتر اصحاب (بشمول تبصرہ نگار) ان باتوں سے ناواقف ہیں۔ بعض باتیں بہت چونکانے والی ہیں، مثلاً: آغا خاں "حاضر امام" کا مقام و مرتبہ (نعوذ باللہ) خدا کا ہے۔ اصل عبادت خانہ "جماعت خانہ" ہے، نہ کہ مسجد۔ ۱۹۸۳ میں مرحوم صدر محمد ضیا الحق، آغا خان میڈیکل یونی ورسٹی کا چارٹر عطا کرنے گئے تو احاطے میں ایک مسجد کا سنگ بنیاد بھی رکھا۔ یونی ورسٹی تو بن گئی مگر مسجد کی تعمیر اسی سنگ بنیاد کے مرحلے پر رکی ہوئی ہے۔ اکبر علی تعجب سے پوچھتے ہیں 'یادگاری پتھر کو وہاں سے غائب کیوں نہیں کیا گیا (ص ۱۰۹)۔ آغا خانیوں کا عقیدہ ہے کہ آغا خان "حاضر امام" کا دیدار ہو جانے پر سابقہ زندگی کے تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں اور حج کا ثواب بھی ملتا ہے۔ خود آغا خان نے کبھی حج نہیں کیا (ص ۲۷۲-۲۷۳)۔ آغا خان سوم فلسطین میں صیہونی سلطنت کے نہ صرف حامی تھے بلکہ ۱۸۹۸ میں انھوں نے عثمانی خلیفہ عبدالحمید سے اس کے لیے سفارش بھی کی تھی (ص ۱۰۰)۔ اسماعیلی، ہندو سماج میں ہندوؤں جیسے نام رکھتے ہیں اور انھی کے سے طور طریقے اختیار کر لیتے ہیں۔ مصنف کے آباء و اجداد میں سے بعض بیک وقت ہندو بھی تھے اور اسماعیلی بھی (ص ۱۷۱)۔ بعض خاص مجالس کی رکنیت کے لیے بھاری فیسیں مقرر ہیں۔ ۱۲ سال کی عبادت ۱۲ سو روپے اور ۵ سال کی عبادت ۵ سو روپے ادا کرنے پر معاف ہو سکتی ہے' (ص ۲۸۲)۔ ایک عام قاری کے لیے آغا خانی مذہب کی لمبی تفصیل حیران کن اور کئی اعتبار سے پریشان کر دینے والی

ہے۔ دیوبند، سہارن پور، کراچی، اکوڑہ خٹک، الازہر اور سعودی عرب کے جید علما کے فتاویٰ کے عکس شامل کتاب ہیں جن میں قرار دیا گیا ہے کہ اسماعیلی مسلمان نہیں ہیں۔

مصنف نے یہ کتاب "آگ کی طرف گامزن قدموں کو روکے جانے کا شعور" پیدا کرنے کے لیے لکھی ہے۔ بلاشبہ جب کچھ لوگ مسلمان ہونے کے مدعی ہوں اور مسلم معاشرے میں کچھ سیاسی عزائم بھی رکھتے ہوں تو ان کے عقائد اور سرگرمیوں کا جائزہ لینا ضروری ہو جاتا ہے۔ جناب اکبر علی نے گھر کے بھیدی کی حیثیت سے، ذاتی معلومات، تجربات اور مشاہدے پر مبنی بہت سے دلچسپ اور عبرت ناک واقعات بیان کیے ہیں۔ کتاب میں نئی پرانی، دستیاب اور نایاب کتابوں کے حوالے اور نادر دستاویزات کے عکس بھی شامل ہیں۔ اصل انگریزی کتاب کا یہ ملخص ترجمہ ہے۔ (رفیع الدین ہاشمی)

نیو ورلڈ آرڈر، امجد حیات ملک، ناشر: ۲۲۴۔بی نیو چوبرجی پارک، چوبرجی، لاہور۔ صفحات: ۳۲۵۔ قیمت: ۲۰۰ روپے۔

سائنس اور ٹیکنالوجی کے اس دور میں ہمارے نوجوان اور ملک و قوم کے ذمہ دار تاریخ کو کتنی اہمیت دیتے ہیں؟ اس کا اندازہ لازمی نصاب میں شامل تاریخ کے حصے سے کیا جا سکتا ہے۔ (اور اختیاری طور پر کتنے پڑھتے ہیں، یہ بھی کوئی راز نہیں ہے)۔ تاریخ کو قوم کا حافظہ کہا جاتا ہے۔ جسے مستقبل کی تعمیر اپنے نظریہ حیات کے مطابق کرنا ہو، وہ اس سے بے بہرہ کیسے ہو سکتا ہے؟ اس کتاب کے ذریعے امجد حیات ملک کی بے چینی سمجھ میں آتی ہے کہ ان کے دل میں جو درد ہے، سب اس سے آشنا ہو جائیں، بلکہ اسے اپنا لیں، لیکن ۳۲۵ صفحات کی یہ کتاب! ہمارا نوجوان تو "خلاصے" چاہتا ہے۔ سلمان رشدی کی واہیات سے جو منظر بنا، اس نے مصنف کو تحریک دی اور انھوں نے ورلڈ آرڈر کے حوالے سے پوری تاریخ کھنگال ڈالی۔

انھوں نے غیر معمولی محنت سے تاریخی واقعات کے پس پشت کام کرنے والے عناصر تک پہنچنے کی کوشش کی، اور یوں قاری کے لیے بیش قیمت معلومات نکال کر لائے ہیں۔ بعض اوقات ان کی تفصیلات میں کھو کر قاری کا رابطہ اصل بات سے کٹ بھی جاتا ہے۔ اندلس میں مسلمانوں کا خاتمہ، امریکہ میں ریڈ انڈین کا خاتمہ، افریقہ کے سیاہ فاموں پر مظالم، زرد فاموں (فلپائن، کوریا، جاپان) پر تسلط، یہ سب تفصیلات پیش کی گئی ہیں۔ اور آخری بات صیہونی سازش کی پیش کی ہے۔ تبصرہ نگار کو دنیا کے ہر کام میں سازش اور وہ بھی صیہونی سازش تلاش کرنے کے نقطہ نظر سے اختلاف ہے۔ صیہونی سازش ہو یا نہ ہو، مگر حالات امت مسلمہ کو دعوت عمل دیتے ہیں کہ وہ اپنے حقیقی منصب یعنی عالمی قیادت تک پہنچے، اور جو عالمی نظام خالق کائنات نے اپنے رسول آخرؐ کے ذریعہ پہنچایا ہے، اس کی

برکات سے انسانیت کو شاد کام کرے۔ کتاب سے تاریخ کے مطالعے کی اہمیت واضح ہوتی ہے۔ روایتی نصابات کے بجائے یا ان کے ساتھ ساتھ ہر سطح پر طلبہ و طالبات کے لیے تاریخ کے مختلف ادوار پر مشتمل نصاب اس انداز سے مدون کیے جائیں کہ ان سے مسلم نوجوان کو اپنی شناخت ملے، حالات سے آگہی ہو، حقیقی پس منظر کا ادراک ہو، اور جذبہ عمل بیدار ہو۔ (مسلم سجاد)

Trying to Respond، ڈاکٹر رابرٹ اے بٹلر، مرتب: محمد اکرام چغتائی۔ ناشر: پاکستان جیسوئٹ سوسائٹی، لاہور۔ صفحات ۲۶۴۔ قیمت ۲۰۰ روپے۔

سوئٹزرلینڈ کے رہنے والے ڈاکٹر رابرٹ بٹلر نے علوم اسلامیہ میں ڈاکٹریٹ حاصل کی۔ ۱۹۶۱ میں کیتھولک مشن پر پاکستان آئے۔ ۱۳ برس تک اورینٹل کالج پنجاب یونی ورسٹی لاہور کے شعبہ اطالوی زبان کے سربراہ رہے۔ لاہور میں مشنری سرگرمیوں کے لیے ان کا قیام ۲۵ برس تک رہا۔ وہ فرانسیسی، جرمن، انگریزی اور عربی زبانوں سے آگاہ تھے۔ ۱۹۹۶ میں انتقال ہوا۔

زیرنظر کتاب ان کے دوست محمد اکرام چغتائی نے مرتب کی ہے۔ سترہ ابواب پر مشتمل یہ کتاب، آنجہانی کے ذوق تحقیق، ترجمے کی صلاحیت اور مشنری نقطہ نظر سے معاملات کو دیکھنے کے اسلوب کی تصویر ہے۔ کتاب کے چند ابواب کا مختصر تعارف کرائیں تو یہ شکل بنتی ہے: (۱) منصور حلاج کی کتاب الطواسین کا فرانسیسی سے انگریزی میں ترجمہ۔ مستشرقین کے لیے تصوف جیسا اختلافی موضوع من پسند ہے، کہ اس کے ذریعے وہ ایمان اور عمل کو مشق ستم بناتے اور اختلاف کی خلیج بڑھاتے ہیں۔ (۲) جلال الدین رومی کے افکار کا ترجمہ۔ اس میں بھی تصوفانہ عقائد کو چنا گیا ہے۔ (۳) اقبال کے افکار میں شیطان کے کردار کو موضوع بنا کر تصوف کی راہ تلاش کی گئی ہے۔ (۴) تصوف کی روحانی منازل اور مدارج کے حدود اربعہ کا بیان ہے۔ (۵) الہامی نام اور آج کا انسان، ایک کلامی بحث ہے۔ (۶) غلام احمد پرویز کی "قرآنی انقلابی فکر" کو بڑی محبت سے زیربحث لایا گیا ہے۔ پرویز کی اس ادا پر مصنف فدا ہو گئے ہیں کہ وہ سنت کی نفی کرتے ہیں۔ (۷) چند کتب پر طویل تبصرے ہیں۔ (۸) "مغربی پاکستان میں لادینی رجحان" مضمون میں پاکستان کو سیکولرائز کرنے کی خواہش پیش کی گئی ہے۔ مختلف اکابرین کے بیانات کو سیاق و سباق سے کاٹ کر اپنی بات کو پھیلایا گیا ہے۔ (۹) مختصر نوٹ میں پاکستانی مسلمانوں کے بارے میں مشاہدہ ہے۔ (۱۰) "پاکستان میں مسلم مسیحی مکالمہ" میں مصنف کا خیال ہے کہ مغرب میں شائع شدہ تنقیدی کتب سے یہاں کے مسلمان خوفزدہ رہتے ہیں، جس کے باعث غصے کا اظہار کرتے ہیں۔ باہر سے آنے والے عیسائی مشنریوں کے بارے میں بھی تحفظات پائے جاتے ہیں، لیکن ہم وطن عیسائیوں کی سماجی کسمپرسی کے باوجود ان کے حب وطن

کو شک کی نظر سے نہیں دیکھا جاتا۔ (۱۱) "پاکستان میں احیاے اسلام اور کلیسا" میں "قرار داد مقاصد" اور اس کی روشنی میں اسلامی پیش رفت کو اقلیتوں کے بارے میں نقصان دہ قرار دیا ہے۔ یہ مضمون خاصا یک رخا، منفی اور حقائق کے منافی ہے۔ (۱۲) "مسلمانوں سے مذہبی مکالمہ کیوں مشکل ہے" اس ضمن میں عیسائیوں کے ہاں رسالت محمدؐ کو نہ تسلیم کرنا، اور مسلمانوں کے ہاں مقامی عیسائیوں کو مذہبی مکالمے کے لیے فرو تر سمجھتے ہوئے اجتناب برتنا بڑے اسباب ہیں۔ (۱۳) مشنری کاوشوں میں تدبر اور حکمت کی ضرورت پر زور دیا ہے۔

یہ کتاب مستشرقین اور عیسائی مشنریوں کے تصورات، طریق کار اور تعصبات کو سمجھنے کے لیے نادر نمونہ ہے۔ اس کتاب کے کئی ابواب بالخصوص ۸، ۱۰، ۱۱ مسلم ماہرین کے مطالعہ و تجزیہ کے متقاضی ہیں۔ یہ مسلمانوں اور پاکستان کے بارے میں منفی پروپیگنڈے کو آگے بڑھاتے اور بے جا غلط فہمیوں کو پھیلاتے ہیں۔ ان کی مدلل تردید اشد ضروری ہے۔ افسوس کہ مسلمان علما میں عیسائیت کے بارے میں مطالعے و تجزیہ کی روایت چند مناظراتی جملوں سے آگے نہیں بڑھ سکی۔ یورپی زبانوں سے لاتعلقی نے بھی اس خرابی کو بڑھایا ہے۔ (محمد ایوب منیر)

وحدت ملی / فکر امروز، صاحبزادہ خورشید احمد گیلانی، ناشر: اتحاد فاؤنڈیشن، ۴۹ کریم بلاک، علامہ اقبال ٹاؤن، لاہور۔ صفحات: اول الذکر ۱۵۰ اور ثانی الذکر ۲۱۱۔ قیمت بالترتیب: ۷۵ روپے اور ۱۰۰ روپے۔

اول الذکر کتاب کا موضوع اتحاد امت اور عالمی اسلامی وفاق کا قیام ہے، جبکہ ثانی الذکر میں امریکی عالمی نظام، اسلامی عالمی نظام، جمہوریت اور اجتہاد وغیرہ کے حوالے سے بحث کی گئی ہے۔ موقف یہ ہے کہ اگر امت مسلمہ فرقہ واریت اور مادی تعصبات سے بالاتر ہو کر اخوت اسلامی کی بنیاد پر اتحاد و اتفاق کا راستہ اختیار کرے تو بقا کو یقینی بنایا جا سکتا ہے۔ مزید یہ کہ ملت اسلامیہ کم از کم اپنے "آج" کی فکر کر سکے تو آنے والے "کل" کو بھی سنوار سکے گی۔ لہٰذا تمام داخلی و خارجی خطرات کا مقابلہ کرنے کی راہیں تلاش کرنی چاہییں۔ اس سلسلے میں مصنف نے ان خطرات کی تفصیل بیان کی ہے اور ان اقدامات کی نشاندہی بھی کی ہے۔ ان کے نزدیک عالمی امریکی نظام کا توڑ کرنے کے لیے دین اسلام کی انقلابی قوت کو بروئے کار لانے، سیاست کو دین کے تابع کرنے، معاشرت اور معیشت کو احسان و مروت کی بنیادوں پر استوار کرنے کی ضرورت ہے۔ جناب گیلانی کا انداز بیان مدلل اور موثر ہے۔ وہ شاعری نہیں کرتے، نثر میں ساحری کرتے ہیں۔ ان کی باتیں دل و دماغ کو متاثر کرتی ہیں۔

(ڈاکٹر رحیم بخش شاہین)